روشین عاقب*

فروغ فرخ زاد اور فہمیدہ ریاض کی شاعری کا عالمگیریت کے تناظر میں تقابلی جائزہ

Abstract: *Comparative analyses create a foundation for a universally connected society. These comparisons not only create awareness of literary classics, as well as provide a foundation for understanding and comprehension. In reality these analysis are a study of various different literatures of cultures. These analyses explain the relationship between different literatures overtime.*

Farogh Farukhzad rose in Iranian poetry and literature like a flame in fire. The magical rhythm in her poetry, the unfiltered femininity, her boldness and self-confidence and her incredibly real, to the point style has left her readers surprised to this very day. She was a personality that chose to abandon the pre-destined paths created for a common woman and opted for a new and an incredibly challenging path for herself.

Fehmida Riaz is a woman who analyzed a common woman's experience in light of her knowledge and perception about them and motivated the society with a new thinking.

Fehmida, who was inspired by Karl Marx and Freud, has the skills, craft and art, life experiences, knowledge of the traditional values and understanding of the contemporary world. By combining the poetic styles of the past and present, she's managed to introduce novel ways in poetry.

In both these poetess' writing, societal values, empathy for humanity, human isolation, societal pressure, protest against patriarchy and their psychological effects are extremely important and relevant in the context of universality.

تقابلی مطالعہ مختلف ثقافتوں کے متون کا مطالعہ ہے۔ یہ ایک کثیر العلمی مضمون ہے جس کا تعلق زمان اور مکان کے بُعد میں پیدا ہونے والے ادب کے درمیان رشتوں کے نقوش سے متعلق ہے۔ دوسرے الفاظ میں تقابلی جائزے کو کچھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ دو چیزوں یا دو علوم کا جائزہ اس طرح لیا جائے کہ ان کے اشتراکات اور افتراقات کو سامنے لا کر قدر متعین کی جا سکے۔ بنیادی طور پر تقابلی ادب دو تہذیبوں کی ثقافت کو واضح کرتا ہے اور ان میں دو مختلف ادبی پہلو، تعلقات، انسانی مزاج اور رویوں کے نقوش بھی تلاش کئے جاتے ہیں۔ اس کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے:

A comparative research is a research methodology in the Social sciences that aims to make comparisons across different countries and cultures.(۱)

* لیکچرار، شعبہ اردو، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی

گوئٹے کے مطابق شاعری تمام انسانوں کی مشترکہ میراث ہے یعنی شاعری عالمگیر ہے اور کسی کا اثاثہ نہیں۔ اس لیے یہ ایک ایسے ادب کو بنیاد فراہم کرتے ہیں جو جغرافیائی حدود و قیود سے ماورا ہے۔ ان کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ ان کی بدولت مصنف کی ذاتی سوچ اور اس کے ذہن پر اثرانداز ہونے والی ادبی تحریکوں کے اثرات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ فرد کی داخلی و خارجی کیفیات، نفسیات اور محرکات زیرِ بحث آسکتی ہیں۔

ادب اور شاعری میں خواتین نے ان تجربات کی از سرِ نو تشریح و توضیح کی جنھیں ایک عورت کی حیثیت سے انھوں نے محسوس کیا۔ ایسے پدرانہ رویوں اور مرد اساس تشریحات اور آئیڈیولوجیز کو نشان زد کیا گیا جن میں تذکیری غلبہ تھا۔ عورت کے اس روایتی کتابی کردار کو چیلنج کیا گیا جسے مرد اساس معاشرے میں ہمیشہ حاشیے میں جگہ دی گئی تھی۔ خواتین کے ادب کی اپنی زبان، جنسی، جذباتی، وجودی تجربات کے حوالے سے علیحدہ انفرادیت قائم کی گئی اور انھی تحقیقات کی روشنی میں ان بین السطور نفسیاتی حوالوں کو بنیاد بنایا گیا جو بظاہر معنی سے الگ ہوتے ہیں۔

اردو شاعری میں فہمیدہ ریاض اور فارسی شاعری میں فروغ فرخ زاد ایسی شاعرات ہیں جن کے ہاں فکر کی تازگی، خیال کی سچائی، جذبے اور احساس کی خوب صورتی اور حق و صداقت کی خوشبو پائی جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے مطالعے، مشاہدے، احساس و ادراک کے ذریعے وہ میلانات قبول کیے جو جدید حسیت اور عہد کی بیداری کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ فہمیدہ ریاض اور فروغ فرخ زاد کی شاعری عرفانِ ذات اور کربِ ذات کی نمائندہ ہے۔ انھوں نے ان نسائی احساسات کو زبان دی جن پر صدیوں سے پہرے تھے۔ خواتین روزانہ کی بنیاد پر ان مسائل کا سامنا کرتی تھیں لیکن اظہار نہیں کر پاتی تھیں۔

فروغ فرخ زاد ایران کی پہلی ایسی شاعرہ ہے جس نے ایرانی عورت کے درد کو محسوس کیا اور معاشرے پر چھائے ہوئے مرد سالاری کے بادل ہٹانے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی شاعری میں جس درد و تکلیف کا اظہار کیا، وہ پوری انسانیت کا درد ہے۔ وہ ایک ایسی ہستی دکھائی دیتی ہے جو احساس و فکر کی بلندیوں سے دنیا کو دیکھ رہی ہے۔ اس نے پہلی بار انتہائی بے باکانہ لہجے میں منفی ہیجان کے تلاطم کو اشعار میں انڈیل دیا۔ اس نے اپنے جذبات کو الفاظ کی میناکاری میں دفن نہیں کیا بلکہ صدیوں سے منجمد اس لاوے کو بہنے کے لیے راستہ دے دیا۔ فروغ کو منافقت سے نفرت ہے۔ وہ نام نہاد زاہدوں اور پارساؤں سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔ اپنے حقیقی باغی احساسات کے اظہار میں اسے کوئی جھجھک نہیں ہے۔ اسے دیواروں اور زنجیروں سے وحشت محسوس ہوتی ہے۔ گھر کی چار دیواری اس کے لیے قیدِ تنہائی کے مترادف ہے۔ اس کے نزدیک دیواروں کا، حدود کا قائل ہونا فطرت کے خلاف ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اس دنیا کو جہاں تک دیکھو دیوار ہی دیوار ہے۔ خوف ہے، نفرت ہے۔ کوئی روزن نہیں جہاں سے دھوپ کا نظارہ کیا جاسکے۔ کھل کر سانس لیا جاسکے۔ وہ خدا سے بھی شاکی ہے اور اسے شیطان پر بھی ترس آتا ہے۔ افسانوی طرزِ اظہار، ڈرامائی اندازِ بیان اور خود کلامی اس کی نیادی خصوصیات ہیں۔ فروغ کی شاعری میں احساسات اور چھونے کے قابل ایک الگ دنیا ہے جہاں جسارت، صداقت اور حقیقت پائی جاتی ہے۔ اس کو اپنے دور کا شگفت انگیز ترین شاعرِ زباں فارسی، یعنی فارسی زبان کی حیرت انگیز شاعرہ کا لقب دیا گیا ہے۔ فروغ فرخ زاد کے پانچ مجموعے منظرِ عام پر آئے۔ اسیر، دیوار،

عصیان، تولدی ء دیگر اور ایمان بیاوریم۔ عشق، رومان، محرومی، آرزو، کرب، فرار، دیوانگی اور تجسس فروغ کے اہم موضوعات ہیں۔ وہ انتہائی محنتی اور کوشش وکار سے سرشار تھی۔ اگر وقت اسے مہلت دیتا تو وہ یقیناً شعر و ادب کے حوالے سے مزید اضافے کرتی۔

براہنی کہتے ہیں۔:

> فروغ صدیوں تک خاموش ایرانی عورت کی بولتی زبان تھی۔ وہ ایرانی عورت کی خاموشی سے تنگ آچکی تھی۔ فروغ کی شخصیت غم، دکھ، تکلیف اور احساسات کا متضاد مجموعہ ہے اور انہی متضاد خصوصیات نے اس کی شاعری کو پر رونق بنادیا ہے۔ فروغ کے اشعار میں ایرانی خواتین کا مخفی چہرہ دکھائی دیتا ہے۔(۲)

جن شاعرات نے عورت کے حقوق منوانے کی بات کی ہے، ان میں بڑا اعتماد اور ایقان ہے۔ ان کے لہجے میں سہمنا کے بجائے بلا خوفی ہے۔ اس لیے انہیں ان مراعات سے کد ہے جن سے رحم اور ترس کی بُو آتی ہے۔ انہیں اس ضابطہ اخلاق سے چڑ ہے جن میں پدر شاہی اصولوں کے تحت وہ محض ایک زینتِ خانہ ہے۔ گویا نام نہاد اخلاقی و سماجی جبر اور دباؤ اس کی تقدیر ہے۔

فروغ کہتی ہے۔:

لبوں پر مت لگا قفلِ خاموشی
کہ دل میں قصہ ناگفتہ ہے میرا
میرے پیروں سے یہ بندِ گراں کھول
کہ اب غم سے دل آشفتہ ہے میرا

کتاب و خلوت و شعر و خموشی
میری ہستی ہیں ، میری زندگانی
میں جنت میں نہ جاؤں ،غم نہیں ہے
کہ دل میں ہے بہشتِ جاودانی(۳)

فروغ کی شاعری کی جمع پونجی اور اصل سرمایہ احساس ہے اور مختلف زاویوں اور اجزاء پر مشتمل اس کی شاعری کو یہ خصوصیت خاص مفہوم سے مالامال کرتی ہے۔ وہ اپنی بے زاری، فرسٹریشن اور غم و غصہ کو ایک حساس لہجہ اور خلوص کے ساتھ ایک عورت کی زبان سے پیش کرتی ہے۔

اپنی ابتدائی شاعری میں وہ ایک باغی عورت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ایک ایسی عورت جس کے اندر ایک ایسی بے نظیر جسارت دکھائی دیتی ہے جو برملا عورتوں کے لیے طے شدہ سماجی اقدار کو ٹھکرا دیتی ہے۔

انور مسعود کے بقول۔:

اس میں کوئی شک نہیں کہ فروغ ہمہ تن خلوص شعر ہے۔اس کی نہاد شاعرانہ ہے۔اس کا دبستانِ سخن ایک صد رنگ تغزل زار ہے۔سازِ سخن پر اس نے عشق کا راگ چھیڑا ہے۔خود سپردگی اور شوریدگی کے روپ میں ایک عاشقانہ نگرش اس کی شاعری پر چھائی ہوئی ہے۔ (۴)

فروغ کی شاعری کی بقا کا راز دو نکات میں مضمر ہے۔ایک اخلاص اور دوسرا اس کی شفاف زبان۔اپنی پوری شاعری میں فروغ صرف فروغ ہی رہتی ہے۔نہ تو وہ نقاب اوڑھنے کی قائل ہے اور نہ ہی دوسروں کے فاخرانہ لباس زیبِ تن کرنے کی عادی۔نہ مصلحت سے کام لیتی ہے اور نہ ہی ایک کمزور اور ڈرپوک عورت کی طرح پردے میں چھپ کر گفتگو کرتی ہے۔فروغ اپنے ہر مصرعے میں جی رہی ہے اور اس کا ہر شعر، ہر بند اس کی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔اپنی شاعری کے دوسرے دور کے آغاز میں وہ ترقی کرتے ہوئے ایک عورت سے ایک انسان بن جاتی ہے۔اب وہ معاشرے کو صرف عورت نہیں بلکہ انسانیت کی نظر سے دیکھنے لگتی ہے۔

کوئی آرہاہے
اور دستر خوان بچھا رہا ہے
اور روٹی کو تقسیم کر رہا ہے
اور پیپسی کو تقسیم کر رہا ہے
اور باغِ ملی کو تقسیم کر رہا ہے
اور کالی کھانسی کے شربت کو تقسیم کر رہا ہے
اور ناموں کے اندراج کو تقسیم کر رہا ہے
اور اسپتال کے بستروں کے نمبروں کو تقسیم کر رہا ہے
اور جو کچھ نہ بک سکا، اسے تقسیم کر رہا ہے
اور ہمیں بھی ہمارا حصہ دے رہا ہے (۵)

یہ سماجی انصاف اور مساوات کے لیے لکھی جانے والی بہترین نظموں میں سے ایک ہے۔جن سے واضح ہوتا ہے کہ فروغ ایک جدید ذہن رکھتی ہے اور اپنے گردو پیش کے حالات پر اس کی گہری نظر ہے۔فروغ کا مذہب انسانیت ہے اور اس کا مخاطب ساری دنیا کے لوگ ہیں۔محبت بھرا دل، انسانیت پرست انسان اور فطرت کی حسن کاریوں کا شیدائی، موجودہ دور میں غیر امن پسندانہ رجحانات پر حیران اور فکر مند ہو جاتا ہے۔

سیمون دی بوار لکھتی ہیں۔:

ہمارے ایسے لاتعلق معاشروں میں اخلاقیات کا تصور ایک نامکمل مفروضہ ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایک ایسی دنیا کی تشکیل میں سرگرمِ عمل ہوں جو عدم مساوات کی لعنت سے مبرا ہو۔ ایک ایسی دنیا ہی سچی اخلاقیات کو فروغ دے سکتی ہے۔ بے شک یہ خیال افلاطونی جنت جیسا ہے لیکن یہی ایک سیدھا اور سچا راستہ ہے۔(۶)

فہمیدہ ریاض اپنی نسائی حسیت کی بنا پر منفرد مقام رکھتی ہیں۔ ان کی شاعری میں شعورِ حیات کے ساتھ ساتھ شعارِ زیست کا بھی احساس ملتا ہے۔ ان کے پہلے مجموعہ "پتھر کی زبان" کا لہجہ باغیانہ قرار پایا لیکن اس میں ایک رومانوی کرب کا اظہار بھی ملتا ہے۔ ان کی شاعری ایک نئے طرزِ احساس کی طرف سفر کرتی دکھائی دیتی ہے جس میں ایک نسوانی وجود اپنے بھرپور امکانات کے ساتھ موجود ہے۔ فہمیدہ کے ہاں فکر و فن بھی ہے اور زندگی کی صداقتیں بھی، ماضی کی توانا روایات بھی ہیں اور عصری میلانات سے آگاہی بھی۔ وہ اپنے ادراک و شعور کو ظاہر و باطن کے تمام محرکات سے مستفید کر کے شعری تخلیق کو جنم دیتی ہیں۔ ان کی شاعری میں فکر، جذبے اور صداقت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

فہمیدہ ریاض اس امر کی داعی ہیں کہ عورت کے مخصوص جذبات و احساسات، اس کی حسیات اور اعصابی مد و جزر سے ایک مرد کیوں کر واقف ہو سکتا ہے! عورت کا جو روپ مردوں کے تحریر کردہ ادب میں نمایاں رہا ہے، اس کے مطابق یہ خام، مجمل، غیر حقیقی یا متعصبانہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے مثبت و منفی، خوشگوار و ناخوشگوار تجربات کی روشنی میں عورت کے فکر و ذہن کے بارے میں جو مفروضات قائم کرتا ہے، ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

فاطمہ حسن کہتی ہیں:۔

فہمیدہ ریاض، پتھر کی زبان کی نرم و نازک شاعری کے بعد جب بدن دریدہ کی کھری سچی شاعری کے ساتھ نمودار ہوئیں تو دریدہ بدن سے زیادہ دریدہ ذہن گردانی گئیں۔۔۔۔۔۔ یہ کون تھی جو مستور نہیں رہنا چاہتی تھی اور اپنے آپ کو آشکار کر رہی تھی۔(۷)

دریدہ ذہن میں فہمیدہ رومانی تجربے سے نکل کر ایک دوسری سطح پر ظہور کرتی ہے اور یہ تجربہ کائنات کی پراسرار قوت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ زندگی کے تسلسل کے لیے انسانی مادہ کا کردار صرف جبلتی نہیں بلکہ ایک ماورائی جہت رکھتا ہے۔ عالمی سطح پر وقوع پذیر ہونے والی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تبدیلیاں ہوں یا اس حوالے سے انسانی ردِ عمل کا تجزیہ ہو، فہمیدہ کی جداگانہ تخلیقی آواز اور ان کے طرزِ فکر و احساس کو بطورِ خاص اہمیت دینی پڑے گی۔

شاہدہ حسن کے خیال میں:۔

عورتیں چونکہ باہمی رشتوں کے اٹوٹ بندھنوں سے بندھی ہوتی ہیں اور ان کا دھڑکتا ہوا وجود، فکر و تدبر، بصیرت اور تجربے کی بعض ایسی جہتوں سے بھی آشنا ہوتا ہے جو مرد ذات سے کئی حیثیتوں میں مماثل ہونے کے باوجود،

بہت مختلف بھی ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی تحریروں میں موجود رومانی و تہذیبی اقدار کی جھلکیاں، انسانی غم والم، سامراجی قوتوں کے عزائم کے خلاف بیزاری، نقل مکانی اور ترک سکونت سے مرتب ہونے والے نفسیاتی اثرات، مرد سے مرد کی بیگانگی اور انسان کی ازلی تنہائی جیسے بے شمار موضوعات، ان کے شعور اور ان کی شاعری کے ذریعے اظہار پا چکے ہیں۔(۸)

فہمیدہ آج کی شاعرہ ہے جو ماضی کے مقابلے میں تخلیقی سطح پر اپنی ذات، وجود، شخصیت، جسم، اعصاب اور ان سب کے تقاضوں کا بہتر اسلوب میں ابلاغ کر رہی ہے۔ اپنے غم، دکھ، کرب، تنہائی، اداسی، یاس، پریشانی، محرومی اور ان سب کی پیدا کردہ شعری حسیت میں قارئین کو بھی شریک کر رہی ہے۔ وہ ایسے موضوعات پر اظہارِ خیال کر رہی ہے جو معاشرے کے لیے ٹیبوز کہلاتے ہیں۔ اپنی نظم ''اقلیما'' میں وہ عورت کو ایسی باشعور ہستی قرار دیتی ہے جس کی اپنی ایک سوچ ہے، ذہن ہے۔ وہ کسی کا اثاثہ نہیں، ملکیت نہیں جس کو تقسیم کر دیا جائے۔

اقلیما

جو ہابیل اور قابیل کی ماں جائی ہے
ماں جائی
مگر مختلف

آگے چل کر فہمیدہ کہتی ہیں۔:

وہ اپنے بدن کی قیدی
تپتی ہوئی دھوپ میں
جلتے ٹیلے پر کھڑی ہوئی ہے
پتھر پر نقش بنی ہے
اس نقش کو غور سے دیکھو
لمبی رانوں سے اوپر
ابھرے پستان سے اوپر
پیچیدہ کوکھ سے اوپر
اقلیما کا سر بھی ہے
اللہ کبھی اقلیما سے بھی کلام کرے
اور کچھ پوچھے(۹)

دورِ جدید کی یہ باشعور شاعرہ مارکسزم کو انسانیت کا نجات دہندہ سمجھتی آئی ہے۔ وہ استحصال سے پاک ایک جمہوری فلاحی معاشرہ قائم کرنے کے لیے میدانِ عمل میں بھی اترنے کی قائل ہے۔ وہ تمام اقتصادی اور مالی وسائل پر عوام کا برابر کا حق سمجھتی ہے۔ وہ پسماندہ، مظلوم اور استحصال شدہ جمہور کے حقوق کی علمبردار ہے۔ اس کی شاعری کا انقلابی رنگ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ستم ہائے روزگار کے سامنے ہتھیار ڈال دینا یا نالہ و فریاد کرنا اس کا شیوہ نہیں۔ وہ ایک خانماں برباد، مفلس اور بے یار و مددگار بچے کو ساحل پر دیکھتی ہے تو اپنی کیفیت کو یوں بیان کرتی ہے۔:

اتنا گمنام اتنا تنہا
بے خانماں سا یہ اک بچہ
جس کا کوئی گھر نہیں ہے
جس کی وارث زمیں نہیں ہے
بس ریت لپٹ سکی ہے اس سے
بس لمس ہوا کا جانتا ہے
یہ طفل سمندروں کا جایا
کنکر کی طرح ہے ٹھوکروں میں (۱۰)

فہمیدہ کے اشعار ذاتی سطح پر اگر ان کی جذباتی واردات کا استعارہ قرار پاتے ہیں تو عمومی طور پر وجودِ زن کی تصویر کے خطوط، نقوش اور خدوخال بھی اجاگر کرتے ہیں۔ وہ ایک مالن کی طرح رنگ رنگ کے پھولوں کا گلدستہ مرتب کرتی ہیں مگر اس طرح کہ وہ رنگ شاعرہ کے جذباتی تشخص اور حسیاتی تمدن کے غماز بن جاتے ہیں۔

جو میرے لب پہ ہے شاید وہی صداقت ہے
جو میرے دل میں ہے اس حرفِ رائیگاں پہ نہ جا (۱۱)

فروغ فرخ زاد اور فہمیدہ ریاض معاشرے کی پسی ہوئی، غمگین، محبوب سے وفا کرنے والی اور انسانیت کا درد رکھنے والی خواتین کی نمائندہ ہیں۔ ان کی شاعری کا تقاضا ہے کہ یہ حالات کی آئینہ گری پورے وثوق اور ذمہ داری سے کرتی ہیں۔ ان کے شعر کو شعر کے مخصوص معانی کے علاوہ کچھ اور اُفق بھی چمکانے ہوتے ہیں۔ ان کا لہجہ اور ان کی ذات کا استعارہ، اجلی خواہشوں کے رنگ، خیال کی سچائی، لہجے کی صداقت، نئے طرزِ احساس، جذبے کی بلندی اور فکر و شعور کی نت نئی جہتیں لیے ہوئے ہے۔ ان کی شاعری ایک ایسا جزیرہ ہے جو خواب اور حقیقت کے درمیان ملفوف ہے۔

اس جزیرے کی فضا خواب آور ہے جو گماں اور یقیں کے درمیاں آنکھ مچولی کھیلتی رہتی ہے۔ لیکن حقیقت میں آتے ہی معانی کے پرت در پرت کھولتی چلی جاتی ہے۔ ان کی شاعری ایک آفاقی عالمگیری سچائی کی حامل ہے جو خوبصورت تماثیل، تشبیہات اور استعارات سے مزین ہے۔ ایک سچے اور مخلص فنکار کی طرح یہ اپنے گردوپیش کی انسانی صورتِ حال اور مسائل کو غیر فطری مصلحتوں سے بالاتر ہو کر سلیقے اور فنی وادبی خوبصورتیوں کے ساتھ نسائی شعور میں رچا کر پیش کرتی ہیں۔

فہمیدہ ریاض بلاشبہ اردو شاعری کی فروغ فرخ زاد ہیں۔ وہ آزادیء اظہار کی قائل ہیں اور اس پر عمل بھی کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ معاشرے سے ان کی گہری وابستگی ہے اور ان کا سماجی شعور ان کی تحریروں میں نمایاں ہے۔(۱۲)

مشرقی عورت کے نسائی شعور کی تفہیم کے لیے فروغ فرخ زاد اور فہمیدہ ریاض کی شاعری کا تجزیہ ان کے تصورات کو واضح کرنے میں معاون ثابت ہوا ہے اور عالمگیریت کے تناظر میں موضوعات، تصورات، احساسات اور نفسیات میں گہرا اشتراک دکھائی دیتا ہے۔

حوالہ جات:

1.www. Wikipedia.org>wiki>comp

۲۔ ناصر حریری، ہنر وادبیات امروز۔ کتاب سرای بابل۔ 1361۔ ص22

۳۔ فہمیدہ ریاض، بغاوت، کھلے دریچے سے، وعدہ کتاب گھر، کراچی، 1998، ص29

۴۔ انور مسعود، فارسی ادب کے چند گوشے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2000، ص18

۵۔ فہمیدہ ریاض، کوئی آرہا ہے، کھلے دریچے سے، وعدہ کتاب گھر، کراچی، 1998، ص199

۶۔ شاہین مفتی، ڈاکٹر، اردو نظم میں وجودیت، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2001، ص434

۷۔ فاطمہ حسن، ڈاکٹر، کتابِ دوستاں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2011، ص133

۸۔ شاہدہ حسن، نسائی حسیت کا اظہار اور شعری پیرائے، فیمینزم اور ہم، وعدہ کتاب گھر، کراچی، 2013، ص156

۹۔ فاطمہ حسن، ڈاکٹر، گزشتہ صدی سے عہدِ حاضر تک: اردو ادب میں نسائی شعور، فیمینزم اور ہم، وعدہ کتاب گھر، کراچی، 2013، ص94

۱۰۔ فہمیدہ ریاض، ساحل کی ایک شام میں، بدن دریدہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2011، ص51

۱۱۔ فہمیدہ ریاض، بدن دریدہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2011، ص52

۱۲۔ ضمیر علی بدایونی، مابعد جدیدیت کا دوسرا رخ، شہرزاد، کراچی، 2006، ص77

☆☆☆☆☆